واقعہ اسلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کتب تاریخ وحدیث کی روشنی میں تحقیقی وتنقیدی جائزہ

A Scholarly and Critical review of the Event of Accepting Islam by Hadrat Umar (RA) in the Light of the Narrations of History and Ahadith

ڈاکٹر عرفان اللہ (اسسٹنٹ پروفیسر، سائنس اینڈ ٹیکنالوجی یونیورسٹی، بنوں)

ڈاکٹر ساجد محمود (لیکچرر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک اینڈ ریلیجئس سٹڈیز، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ)

Abstract

Everyone is familiar with the name of the second caliph Hadrat Umar (RA), because his caliphate is presented as an example today. He is among "As-Saabiqun al-Awwalun". After his acceptance of Islam, the strength of the Muslims increased. How did he accept Islam? So many narrations in this regard are well known. Some of them are weak and some are authentic. The narrations which are well known in this regard are mostly weak. These narrations are mostly related to History books which became the cause of their fame, because historical narrations are accepted without criticism and their"Sanad" and "Matan" are not studied. On the other hand the narrations of Ahadith are not known by common people. That is why those narrations are prevailing about the acceptance of Islam of Hadrat Umar (RA), in which he is proved a cruel and weak person. In this research article, these narrations are criticized and authentic narrations from Ahadith books are presented in this regard.

Keywords: Hazrat Umar (R.A), History, Hadith, authentic, criticism, well known, acceptance.

چونکہ اس واقعہ کا تعلق براہ راست اور زیادہ تر تاریخ کے ساتھ ہے اس لئے ضروری ہے کہ تاریخ کے متعلق کچھ نہ کچھ بحث ہو کیونکہ تاریخ پر اگر تنقید کرنا ہے تو ضروری ہے کہ پہلے اس کی پہچان ہو۔

تاریخ کی لغوی تعریف

(أرخ):(التَّارِيخُ)تَعْرِيفُ الْوَقْتِ يُقَالُ أَرَّخْتُ الْكِتَابَ وَوَرَّخْتُهُ لُغَةٌ وَهُوَ مِنْ الْأَرْخِ وَهُوَ وَلَدُ الْبَقَرَةِ الْوَحْشِيَّةِ وَقِيلَ هُوَ قَلْبُ التَّأْخِيرِ وَقِيلَ لَيْسَ بِعَرَبِيٍّ مَحْضٍ وَعَنْ الصُّولِيِّ تَارِيخُ كُلِّ شَيْءٍ غَايَتُهُ وَوَقْتُهُ الَّذِي يَنْتَهِي إلَيْهِ وَمِنْهُ قِيلَ فُلَانٌ تَارِيخُ قَوْمِهِ أَيْ إلَيْهِ انْتَهَى شَرَفُهُمْ[1]۔

ترجمہ: تاریخ کا معنی ہے وقت کی تعریف جیسے کہ کہاجاتا ہے أَرَّخْتُ الْكِتَابَ **یعنی میں نے اس کی کتابت کا وقت بیان کیا ہے۔ اس کا مادہ ارخ ہے اور یہ وحشی گائے کے بچے کو کہتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تاریخ اصل میں تاخیر تھا لیکن اس کے آخر کو بدل دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ محض عربی لفظ نہیں ہے۔ تاریخ ہر چیز کے غایت اور اصل کو کہتے ہیں جیسے کہ کہاجاتا ہے کہ فلاں اپنی قوم کا تاریخ ہے یعنی اپنی قوم کی شرافت اس پر انتہاء ہوتی ہے"۔**

تاریخ کی اصطلاحی تعریف

هو فن يبحث فيه عن وقائع الزمان فی العالم من حيثية التعيين والتوقيت۔[2]

ترجمہ: یہ ایسا فن ہے جس میں زمانہ عالم کے واقعات سے متعین اور مؤقت بحث ہوتی ہے۔

تاریخ کا موضوع

"الانسان والزمان وأحوالهما المفصلة تحت دائرة الاحوال العارضة الموجودة للإنسان في الزمان"۔[3]

ترجمہ: انسان اور زمان اور ان دونوں کے وہ مفصل احوال جو انسان کے ساتھ زمانے میں موجود احوال عارضہ کے دائرہ میں ہو۔

تاریخ کی غایت وغرض

اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی تلاش کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کے نیک عمل کو برباد نہیں کرتے اور اعمال کا دار ومدار نیت پر ہے۔ یا پھر انسان کے احوال اور زمان کے متعلق علم حاصل کرنا ہے اور اس سے درس اور عبرت حاصل کرنا ہے تاکہ دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل ہو۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ۔[4]

ترجمہ: اور سب چیز بیان کرتے ہیں ہم تیرے پاس رسولوں کے احوال سے جس سے تسلی دیں تیرے دل کو اور آئی تیرے پاس اس سورت میں تحقیق کی بات اور نصیحت اور یادداشت ایمان والوں کی۔

تاریخ کے فوائد

علامہ ابن خلدون مقدمہ ابن خلدون میں لکھتے ہیں:

"تاریخ عالی مرتبہ علم ہے۔اس کے فائدے بہت ہیں اور غرض وغایت بہت عمدہ ہے۔ یہ سلف کے حالات، اگلی امتوں کے اخلاق، انبیاء کی سیرتیں، سلاطین کی سیاست اور ان کی سلطنت کے طریقے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے تاکہ اگر کوئی دینی ودنیوی معاملات میں ان میں سے کسی فریق کی پیروی کرنا چاہے تو کر سکے"۔[5]

تاریخ کی اہمیت

علامہ سخاویؒ نے اپنی کتاب میں مسعودی کے حوالے سے لکھاہے کہ: تاریخ ایسا علم ہے جس سے عالم اور جاہل دونوں فائدہ حاصل کرتے ہیں کیونکہ اسی سے اعلیٰ اخلاق کا اقتباس کیا جاسکتا ہے اور بادشاہوں کے آداب سیاست اسی سے سیکھے جاسکتے ہیں اور اسی سے ہر محفل اور مقام کی تزئین ہو سکتی ہے۔سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں:"جب رُواۃ نے جھوٹ کا استعمال شروع کیاتو ہم نے بھی ان کے لئے تاریخ کا استعمال شروع کیا"۔[6]

تاریخ کا حکم

تاریخ کا حکم کسی ایک فرد میں منحصر نہیں ہے بلکہ بعض اوقات اس کا حکم واجب ہوتا ہے جیسے سیرۃ نبویہؐ۔اور بعض اوقات حرام بھی ہوتا ہے جیسے خرافات اور واہیات۔یعنی اسرائیلیات میں مشغول ہونا یا فُساق وفُجار کے حالات میں مشغول ہونا۔ بعض اوقات مکروہ بھی ہوتا ہے جیسے چھوٹے امور میں مشغول ہو جانا جن کا چھوڑنا لکھنے سے زیادہ بہتر ہے۔جیسے مشاجرات صحابہ میں مشغول ہونا مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلافات کو ہوا دینا۔بعض اوقات اس کا حکم مباح کا ہوتا ہے کہ اس میں نہ کوئی دنیاوی فائدہ ہوتا ہے اور نہ اُخروی۔ جیسے قصائد یا اشعار کی تاریخ بیان کرنا۔[7]۔اگر ایک طرف تاریخ کے فوائد اور اہمیت بھی کافی زیادہ ہے تو دوسری طرف تاریخ کو محض معیار حق بھی نہیں قرار دینا چاہیے کیونکہ اسلامی تاریخ رطب ویابس کا مجموعہ ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس میں سچ

کے بجائے جھوٹ زیادہ ہے تو بے جا نہ ہو گا کیونکہ امت کے افتراق میں ایک سبب تاریخ بھی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ کسی بھی چیز کا فیصلہ تاریخ سے کرنے سے پہلے قرآن اور حدیث کی طرف رجوع کیا جائے اور تاریخ کو قرآن اور حدیث پر پیش کرنا چاہیے، اگر مطابقت ہے تو فبہا والنعمۃ اور اگر مطابقت نہیں ہے تو قرآن اور حدیث پر عمل اور تاریخ دیوار پر پھینکنے کے لائق۔ زیر نظر تحقیق یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ ایک طرف تو اس حوالے سے تاریخی روایات مشہور ہیں جب کہ دوسری طرف احادیث میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے لیکن احادیث کے مقابلے میں تاریخی روایات زیادہ مشہور ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ان روایات کی حدیث کی روشنی میں تحقیق کی جائے۔

تاریخ کے لوازم

علامہ شبلی نعمانیؒ تاریخ کی تعریف کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ تاریخ کے لئے دو باتیں لازم ہیں۔

1 ایک یہ کہ جس عہد کا حال لکھا جائے اس زمانے کے ہر قسم کے واقعات قلم بند کئے جائیں، یعنی تمدن، معاشرت، اخلاق، عادات، مذہب ہر چیز کے متعلق معلومات کا سرمایہ مہیا کیا جائے۔

2 دوسرے یہ کہ تمام واقعات میں سبب اور مسبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے۔[8]

واقعہ اسلام عمر رضی اللہ سے متعلق سابقہ تحقیقی کام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ عام و خاص کے زبان پر جاری و ساری ہے اس واقعہ کو تقریباً ہر مورخ نے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے تاہم اس واقعہ کے فنی پہلو سے متعلق کوئی خاص تعرض نہیں برتا گیا، اس حوالے سے چند اہم کتب درج ذیل ہیں:

1 تاريخ عمر بن الخطاب لأبي الفرج عبد الرحمن بن علي بن الجوزي ،تحقيق أسامة بن عبد الكريم الرفاعي، دار إحياء علوم الدين، دمشق.

2 دراسة نقدية في المرويات الواردة في شخصية عمر بن الخطاب وسياسته الإدارية رضي الله عنه ، مؤلف : عبد السلام بن محسن آل عيسى، ناشر : عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية، المدينة المنورة، المملكة العربية السعودية۔

3 أضواء على التاريخ الإسلامي، مؤلف : فتحي عثمان، دار العروبة، القاهرة.

نام ونسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن زراع بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔

ولادت: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور روایات کے مطابق ہجرت نبوی سے 40 برس قبل پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل نامعلوم ہیں۔

شہادت: 26 ذی الحجہ 23 ہجری۔[9]

واقعہ اسلام حضرت عمر رضی اللہ اور تاریخی روایات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا جو واقعہ کتب تاریخ وسیر میں مشہور ہے، افسوس کے ساتھ اس واقعہ کی سند پر کسی نے بھی نظر نہیں دوڑائی کہ یہ پتہ چلایا جاسکے کہ آیا واقعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ یہی تھا یا کوئی دوسری وجہ تھی اور ساتھ میں ایک کمزوری کی بات یہ بھی ہے کہ تاریخ وسیر کی کتابوں کی اس طرح تقلید کی گئی کہ احادیث کی کتابوں کی طرف التفات بھی نہیں کیا گیا۔ قصہ مشہور کچھ یوں ہے:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ستائیسواں سال تھا کہ آفتاب رسالت طلوع ہوا یعنی رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں زید بن عمرو بن نفیل کی وجہ سے توحید کی آواز نامانوس نہیں رہی تھی، چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تھا۔ اس تعلق کی وجہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی مسلمان ہو گئیں لیکن اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبداللہ رضی اللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابھی اسلام سے بیگانہ تھے۔ ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے یہاں تک کہ قبیلے میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے، ان کے دشمن بن گئے۔ لبینہ ان کے خاندان کی کنیز تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اس کو بے تحاشا مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ دم لے لوں تو پھر ماروں گا۔ لبینہ کے سوا جس جس پر قابو چلتا تھا، زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا جس کو چڑھ جاتا اتر تانہ تھا۔ ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے۔ آخر مجبور ہو کر نعوذ باللہ خود ذات نبوی ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا۔ تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے۔ راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ملے، ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے؟ بولے کہ محمد ﷺ کا فیصلہ کرنے جا رہا ہوں، انہوں نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو، خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ فوراً پلٹے اور بہن کے گھر پہنچے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آہٹ سن کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا لئے لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا یہ آواز کیسی تھی؟ وہ بولی کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا میں سن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہو گئے ہو، یہ کہہ کر بہنوئی سے دست وگریباں ہو گئے اور جب ان کی بہن خاوند کو بچانے آگئی تو ان کی بھی خبر لی یہاں

تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا لیکن اسلام کا تاثر اس سے بالاتر تھا۔ بولیں کہ عمر رضی اللہ عنہ جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔ ان الفاظ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا ان کے جسم سے خون جاری تھا، دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا: تم جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ۔ فاطمہ رضی اللہ عنہانے اجزاء سامنے لاکر رکھ دیئے، اٹھا کر دیکھا تو یہ سورت تھی: سبح لله ما في السماوات والأرض وهو العزيز الحكيم10۔ ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہو جاتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے: آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِه۔ تو بے اختیار پکار اٹھے أشهد أن لا اله إلا الله وأشهد أن محمدا رسول الله۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں (جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا) پناہ گزین تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف گئے ہوئے تھے اس لئے صحابہ کو تردد ہوا لیکن امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنے دو، مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ ﷺ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا: عمر کس ارادے سے آئے ہو؟ نبوت کی پر جلال آواز نے اس کو کپکپادیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا کہ ایمان لانے کے لئے نبی کریم ﷺ بے ساختہ پکار اٹھے اللہ اکبر اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں"۔[11]

واقعہ اسلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ: تنقیدی جائزہ

اس واقعہ کی نوعیت سے یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ یہ سراسر جھوٹ ہے اور اس میں سچائی کا کوئی شبہ بھی نہیں ہے۔ یہاں پر اس واقعہ کے جھوٹا ہونے پر چند شواہد پیش کئے جاتے ہیں: -

1. اس واقعہ میں سورۃ حدید کی پہلی آیت کا ذکر ہے یعنی سبح لله ما في السماوات والأرض وهو العزيز الحكيم کا۔ یہ آیت فتح مکہ کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئی یعنی یہ مدنی سورۃ ہے جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ 6ھ میں اسلام لائے۔ اب یہ بھی ایک عجیب منطق ہے کہ جو آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تلاوت کروائی جارہی ہے وہی آیت آپ کے اسلام لانے کے پندرہ سال بعد نازل ہوئی۔ اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہے۔ یا تو اس کے راوی مطلقاً قرآن سے جاہل ہیں یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کو فتح مکہ کے بعد ثابت کرنا چاہتے ہیں تاکہ آپ کو مؤلفۃ القلوب میں داخل کیا جائے اور اس طرح ان کے ایمان پر شک وشبہ کی راہ ہموار کیا جائے کیونکہ بعض فرقوں والے فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والوں کو مؤمن نہیں سمجھتے ماسوائے ان لوگوں کے جن کا تعلق بنوہاشم سے ہو۔
2. اس روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی بہن اور بہنوئی کے اسلام لانے کا علم نہیں تھا لیکن امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں باب اسلام سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے تحت حضرت سعید بن زید رضی

اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: وَاللَّهِ لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنَّ عُمَرَ لَمُوثِقِي عَلَى الإِسْلاَمِ قَبْلَ أَنْ يُسْلِمَ عُمَرُ وَلَوْ أَنَّ أُحُدًا ارْفَضَّ لِلَّذِي صَنَعْتُمْ بِعُثْمَانَ لَكَانَ ۔[12]

ترجمہ: اللہ کی قسم میں خود کو اس حال میں دیکھا ہے کہ اسلام لانے سے قبل حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے باندھ کر ڈال دیا کرتے تھے لیکن تم نے مسلمان ہونے کے باوجود عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ حرکت کی ہے کہ احد کا پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائے۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے اس قول سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی بہن اور بہنوئی کے اسلام کا نہ صرف علم تھا بلکہ وہ اپنے بہنوئی کو اسلام کے باعث باندھ کر ڈال دیا کرتے تھے۔ اب یہ دعویٰ کہ آپ کو علم نہ تھا، یہ سراسر جھوٹ ہے۔

3: اس روایت میں ایک اور تضاد یہ ہے کہ ایک طرف تو دعویٰ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں پناہ گزین تھے مطلب چھپ گئے تھے اور دوسری طرف یہ دعویٰ ہے کہ تمام صحابہ نے اتنے زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونجنے لگیں تو کیا یہ کھلا تضاد نہیں ہے کہ اس طرح تو تمام کفار اور مشرکین کو نبی ﷺ کا پتہ چل جاتا اور پھر چھپ جانے کا فائدہ کیا؟

4: اس روایت میں یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہن اور بہنوئی کے اسلام کا پتہ نہیں تھا لیکن نعیم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو مطلع کیا تو یہ بھی عجیب بات ہے کہ نعیم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو اُن دونوں کے راز کے افشاء کرنے کی کیا ضرورت تھی یا پھر اس کو لڑائی دیکھنے کا شوق تھا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

5: حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک بہادر شخص تھے لیکن اس واقعہ کے راوی اس کو ایک کمزور شخص ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں کہ وہ ایک کنیز کو مارتے مارتے تھک جاتے ہیں مطلب یہ کہ اتنے کمزور تھے کہ جلدی تھک جاتے اور یا تو یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے سنگدل شخص ہیں کہ ایک کمزور ذات کو مارتے مارتے تھک جاتے ہیں لیکن یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ یہ ایک عورت ہے۔ اور یہی اس کہانی کا مقصود بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک ظالم اور سنگدل شخص ثابت کیا جائے۔

6: اس روایت میں جو لبینہ نام کی کنیز ہے، اس کا تاریخ اور اسماء الرجال کی کتابوں میں کہیں بھی ذکر موجود نہیں۔ آخر یہ کون تھی؟ اور کہاں گئی؟

ایک دوسری کہانی میں سورۃ الحدید کی آیت کے بجائے سورۃ طٰہٰ کی ابتدائی آیات کا ذکر ہے لیکن بقیہ کہانی وہی کی وہی ہے۔ دار قطنی نے اس واقعہ کو مختصراً قاسم بن عثمان کے ذریعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔[13] لیکن یہاں پر دار قطنیؒ کو بھی اس کی منطق سمجھ میں نہیں آئی کہ انس رضی اللہ عنہ تو مدینہ کے باشندے

ہیں اور ہجرت مدینہ کے بعد اسلام لائے ہیں اور جب اس کی عمر دس سال کی تھی تب اس کی ماں نے اس کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو اس وقت یہ تین سال کے بچے تھے اور اس وقت اس کی پوری قوم کافر تھی۔ اب اس نے یہ واقعہ کس سے سنا، کسی بھی صحابی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اسلام مکہ میں لائے لیکن اس کے اسلام کا واقعہ مدینہ کے صحابی بیان کر رہے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف اس واقعہ کو منسوب کرنے والا قاسم بن عثمان ہے۔ اس کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ ایسی روایات بیان کرتا ہے جس کا کوئی شاہد معلوم نہیں ہوتا۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ نقل کیا ہے جو انتہا سے زیادہ منکر ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا قصہ نقل کیا ہے جو انتہا سے زیادہ منکر ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں ہیں[14]۔

اس سند کا دوسرا راوی اسحاق بن ابراہم الحنینی ہیں: اس کے بارے میں امام ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ بکواسات کا ماہر ہے۔ امام عقیلی کہتے ہیں کہ امام مالک سے جتنی روایات نقل کرتا ہے وہ سب بے بنیاد ہوتی ہیں۔ امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ اس پر اعتراض ہے۔ نسائی کہتے ہیں یہ ثقہ نہیں ہے۔ 216ھ میں اس کا انتقال ہوا[15]۔

اس روایت کا تیسرا راوی اسامۃ بن زید بن اسلم ہے۔ اس کو امام احمد بن حنبل اور امام یحیی بن معین نے ضعیف کہا ہے اور نسائی نے بھی اس کو غیر قوی کہا ہے[16]۔ گویا اس قصہ کا ایک راوی بھی قابل اعتماد نہیں ہے۔

اس واقعہ سے متعلق ایک طویل روایت جس کو مسند بزار میں امام بزارؒ نے نقل کیا ہے اور اس کے آخر میں فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے حوالے سے اس سے زیادہ صحیح سند والی کوئی روایت ہو، لیکن اس روایت کا سارا دارومدار اسحاق بن ابراہیم الحنینی پر ہے اور وہ مضطرب الحدیث ہے[17]۔

اس واقعہ سے متعلق ایک اور روایت بہت زیادہ مشہور ہے جس میں نبی کریم ﷺ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے لئے دعا کا ذکر ہے۔ یہاں ہمارا مقصود اس روایت پر بحث کرنا نہیں ہے کیونکہ اس روایت کے تمام طرق پر علامہ سخاویؒ نے اپنی کتاب المقاصد الحسنۃ میں کافی شافی بحث کی ہوئی ہے لیکن یہاں مقصود یہ ہے کہ علامہ سخاویؒ اس روایت کے تمام طرق جن کو مسند احمد، جامع ترمذی، طبقات ابن سعد، دلائل النبوۃ للبیہقی، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم اور مستدرک حاکم نے نقل کئے ہیں، پر بحث کی ہے۔ روایت کچھ یوں ہے: اللهم أعز الدين بأبي جهل بن هشام أو بعمر بن الخطاب۔ یہ روایت الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ مندرجہ بالا کتب میں دیکھی جاسکتی ہے لیکن اس روایت کے تمام طرق کو علامہ سخاویؒ نے موضوع بحث بنایا ہوا ہے جس میں بیہقی کے دلائل النبوۃ کی روایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ

جب عمر رضی اللہ عنہ اپنی بہن کے گھر آئے اور اسلام اس کے دل میں گھر کر گیا تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ جو کہ چھپ گئے تھے نکل آئے اور کہا کہ اے عمر! تجھے مبارک ہو نبی کریم ﷺ کی دعا تمہارے حق میں قبول ہو گئی ہے کہ نبی ﷺ نے یہ دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! اپنے دین کو ابو جہل بن ہشام یا عمر بن الخطاب کے ذریعے عزت دے۔[18] اس روایت کی سند میں بھی قاسم بن عثمان ہیں جن کے بارے میں حکم پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اس روایت کے نقل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس روایت کو علامہ سخاویؒ ضعیف قرار دے رہے ہیں تو ساتھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا یہ واقعہ بھی صحیح نہیں ہے۔

واقعہ اسلام عمر رضی اللہ کتب حدیث کی روشنی میں

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا اصل سبب اور واقعہ کیا ہے؟ تو اصل واقعہ اگر احادیث کی کتابوں میں تلاش کیا جائے تو شاید یہ مشکل آسان ہو جائے:۔

1 سب سے پہلے بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زید بن عمرو بن نفیل کے بھتیجے تھے۔ زید بن عمرو بن نفیل وہ شخص ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے مکہ میں بت پرستی کے خلاف اور غیر اللہ کے نام پر چڑھاوے سے لوگوں کو روکھا اور توحید کی صدا بلند کی اور اس حوالے سے اس کو بہت سے تکالیفیں برداشت کرنی پڑیں[19]۔ اب ظاہر سی بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تمام امور کا مشاہدہ کیا ہو گا تو آپ پر اپنے چچا کی باتوں کا کچھ نہ کچھ اثر تو ضرور ہوا ہو گا اور اس کا اثر اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ جیسے ہی نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت کیا تو چند ہی روز بعد زید کے بیٹے سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تھا جس کی نکاح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن تھی اور اس کی بہن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نکاح میں تھی۔ اب ایک ایسی شخصیت جس کا سسر مکہ کا موَحد ہو، بہنوئی اور بہن مسلمان ہوں اور بیوی ایک مسلمان کی بہن ہو تو اس پر اثر کا ہونا لازمی بات ہے اور اگر آپ کو مارنا ہو تا تو سب سے پہلے سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو مارتے لیکن سعید کا بیان ہے کہ مجھے باندھ کر رکھتے یعنی ان کا اسلام تو قبول تھا لیکن دیگر لوگوں سے ان کا ملنا جلنا پسند نہیں تھا۔

2 امام بخاریؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ کچھ یوں نقل کیا ہے: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُمَرُ أَنَّ سَالِمًا حَدَّثَهُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَا سَمِعْتُ عُمَرَ لِشَيْءٍ قَطُّ يَقُولُ إِنِّي لأَظُنُّهُ كَذَا إِلاَّ كَانَ كَمَا يَظُنُّ بَيْنَمَا عُمَرُ جَالِسٌ إِذْ مَرَّ بِهِ رَجُلٌ جَمِيلٌ فَقَالَ لَقَدْ أَخْطَأَ ظَنِّي، أَوْ إِنَّ هَذَا عَلَى دِينِهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، أَوْ لَقَدْ كَان كَاهِنَهُمْ عَلَيَّ الرَّجُلَ فَدُعِيَ لَهُ فَقَالَ لَهُ ذَلِكَ فَقَالَ مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ اسْتُقْبِلَ بِهِ رَجُلٌ مُسْلِمٌ قَالَ فَإِنِّي أَعْزِمُ عَلَيْكَ إِلاَّ مَا أَخْبَرْتَنِي قَالَ: كُنْتُ كَاهِنَهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ فَمَا أَعْجَبُ مَا جَاءَتْكَ بِهِ جِنِّيَّتُكَ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا يَوْمًا فِي السُّوقِ جَاءَتْنِي أَعْرِفُ فِيهَا الْفَزَعَ فَقَالَتْ أَلَمْ تَرَ الْجِنَّ وَإِبْلاَسَهَا وَيَأْسَهَا مِنْ بَعْدِ

إِنْكَاسِهَا وَلُحُوقَهَا بِالْقِلاَصِ وَأَحْلاَسِهَا قَالَ عُمَرُ صَدَقَ بَيْنَمَا أَنَا عِنْدَ آلِهَتِهِمْ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ بِعِجْلٍ فَذَبَحَهُ فَصَرَخَ بِهِ صَارِخٌ لَمْ أَسْمَعْ صَارِخًا قَطُّ أَشَدَّ صَوْتًا مِنْهُ يَقُولُ يَا جَلِيحْ أَمْرٌ نَجِيحْ رَجُلٌ فَصِيحْ يَقُولُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ أَنْتَ فَوَثَبَ الْقَوْمُ قُلْتُ : لاَ أَبْرَحُ حَتَّى أَعْلَمَ مَا وَرَاءَ هَذَا ثُمَّ نَادَى يَا جَلِيحْ أَمْرٌ نَجِيحْ رَجُلٌ فَصِيحْ يَقُولُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ فَقُمْتُ فَمَا نَشِبْنَا أَنْ قِيلَ هَذَا نَبِيٌّ[20]۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز کفار کے بتوں کے درمیان لیٹا ہوا تھا کہ ایک شخص ایک بچھڑا لے کر آیا اور اسے ذبح کیا اور اس کے ذبح ہوتے ہی ایک چیخنے والے کی چیخ سنائی دی۔ اتنی زبردست چیخ میں نے کبھی پہلے نہیں سنی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا: اے دشمن عمدہ کام ظہور پذیر ہوا ہے۔ ایک عقل مند انسان ہے جو کہتا ہے: لا الہ الا اللہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ چیخ سن کر لوگ بھاگ کھڑے ہوئے لیکن میں نے دل میں تہیہ کر لیا کہ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اس کے پیچھے کیا ہے، یہاں سے نہ ہٹوں گا، پھر ایک آواز آئی کہ اے دشمن عمدہ کام ظہور پذیر ہوا ہے۔ ایک عقل مند انسان ہے جو کہتا ہے: لا الہ الا اللہ۔ میں وہاں سے چلا آیا۔ ابھی چند دن نہ گزرے تھے کہ سننے میں آیا کہ فلاں شخص نبی ہے"۔

امام بخاری نے اس روایت پر باب اسلام عمر بن الخطاب کا باندھا ہے یعنی وہ اس واقعے کو عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا اصل سبب قرار دے رہے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس واقعہ نے آپ کے دل میں جستجو کا مادہ پیدا کیا ہو۔ لیکن اس سے بھی زیادہ واضح روایت جس کو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب بیان کیا گیا ہے : ۔

"حدثنا عبد الله حدثني أبي ثنا أبو المغيرة ثنا صفوان ثنا شريح بن عبيدة قال قال عمر بن الخطاب ﷺ:خرجت أتعرض رسول الله صلى الله عليه و سلم قبل أن أسلم فوجدته قد سبقني إلى المسجد فقمت خلفه فاستفتح سورة الحاقة فجعلت أعجب من تأليف القرآن قال فقلت هذا والله شاعر كما قالت قريش قال فقرأ {إنه لقول رسول كريم وما هو بقول شاعر قليلا ما تؤمنون } قال قلت كاهن قال { ولا بقول كاهن قليلا ما تذكرون تنزيل من رب العالمين ولو تقول علينا بعض الأقاويل لأخذنا منه باليمين ثم لقطعنا منه الوتين فما منكم من أحد عنه حاجزين}إلى آخر السورة قال فوقع الإسلام في قلبي كل موقع"[21]۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے ایک دفعہ میں نبی کریم ﷺ کو چھیڑنے کی غرض سے نکلا۔ آپ مجھ سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہوئے اور سورۃ الحاقۃ کی تلاوت شروع کی اور میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا، میں نے قرآن مجید کے اسلوب بیان کو دیکھ کر دل میں یہ خیال کیا کہ یہ کوئی شاعر ہے جس طرح کہ قریش کہتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے "إنه لقول رسول كريم وما هو بقول شاعر قليلا

ما تؤمنون" **تلاوت فرمائی۔ میں دل میں خیال کیا کہ یہ کوئی کاھن ہے۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی**"ولا بقول كاهن قليلا ما تذكرون تنزيل من رب العالمين ولو تقول علينا بعض الأقاويل لأخذنا منه باليمين ثم لقطعنا منه الوتين فما منكم من أحد عنه حاجزين"**آپ ﷺ نے آخر تک پوری سورۃ تلاوت کی اور میرے دل میں اسلام پوری طرح گھر کر گیا۔**

اگرچہ اس روایت میں شریح بن عبیدۃ ثقہ راوی ہیں لیکن اس کی سماع حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے اس لئے تو اس کو شعیب الارنؤوط نے تعلیق مسند میں ضعیف کہا ہے کیونکہ عدم سماع کی وجہ سے اس کی سند میں انقطاع ہے۔ لیکن اس روایت پر سید سلیمان ندویؒ کا تبصرہ آگے آرہا ہے۔

یہ ہے اصل واقعہ، چونکہ اس کے ابتداء میں یہ ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کو چھیڑنے کی غرض سے نکلا، لیکن مؤرخین نے ان الفاظ کو تبدیل کر کے اس کو قتل کا منصوبہ بنادیا اور درمیان میں بہن اور بہنوئی کو بھی لے آئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعے کو علامہ شبلی نعمانیؒ نے بھی اپنی کتاب "الفاروق اور سیرۃ النبی ﷺ " میں نقل کیا ہے لیکن اس پر سید سلیمان ندویؒ رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "استاد مرحوم نے سیرت کی پہلی جلد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ جس طرح لکھا ہے وہ حرف بحرف الفاروق کی نقل ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن سے لے کر جو سورت پڑھی اور جس سے متاثر ہو کر وہ مسلمان ہوئے وہ"سبح لله ما في السماوات والأرض وهو العزيز الحكيم"**یعنی سورۃ حدید تھی۔ اس میں شک نہیں کہ بزار، طبرانی، بیہقی اور ابو نعیم میں یہ روایت بھی ہے لیکن حد درجہ کمزور ہے، علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ مکہ کا ہے اور سورۃ حدید مدنی ہے اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیونکر پڑھ سکتے ہیں۔ استاد مرحوم نے الفاروق میں یہ واقعہ کتب رجال و تاریخ کے حوالے سے نقل کیا ہے لیکن حدیث و سیر کی کتابوں میں یہ واقعہ دو صورتوں سے مذکور ہے۔ ایک تو وہی مشہور صورت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار کمر سے لگا کر نبی کریم ﷺ کے قتل کے ارادے سے نکلے کہ راستے میں ایک مسلمان سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارادے کا حال سن کر کہا کہ پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، تمہاری بہن اور بہنوئی اس نئے دین میں داخل ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ میں اپنی بہن کے گھر لوٹ گئے اور مار پیٹ کی اور بالآخر انہوں نے قرآن کی ایک سورۃ لے کر بہن سے پڑھی اور وہ سورۃ طٰہٰ تھی اور جب اس آیت پر پہنچے**"إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي"**تو یہ اثر ہوا کہ دل سے لا الہ الا اللہ پکار اٹھے اور در اقدس پر حاضری کی درخواست کی۔ یہ روایت ابن سعد، ابو یعلی، دار قطنی، حاکم اور دار قطنی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن حد درجہ کمزور ہے جو قبول کے لائق نہیں اور محدثین نے اس کی تصریح کی ہے۔ دار قطنی نے اس روایت کو مختصراً لکھ کر کہا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں ہے۔ ذہبی نے مستدرک حاکم کے استدراک میں لکھا ہے**

کہ یہ روایت واہی اور منقطع ہے اور میزان الاعتدال میں قاسم بن عثمان کے حال میں جو اس روایت کا ایک راوی ہے، لکھا ہے، اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا قصہ بیان کیا ہے اور وہ نہایت ہی منکر ہے۔ کنزالعمال (فضائل عمر بن الخطاب) میں بھی اس روایت کی کمزوری ظاہر کی گئی ہے۔ ان روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف، قاسم بن عثمان، اسحاق بن ابراہیم الحنینی اور اسامۃ بن زید بن اسلم ہیں اور یہ سب پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ ابن اسحاق نے ان دونوں روایتوں کو بہت کچھ گھٹابڑھا کر اپنی سند میں بغیر سند کے لکھا ہے اس لئے وہ اس باب میں سند کے قابل نہیں"۔

اس کے بعد سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں: "لیکن بایں ہمہ کہ یہ روایت اپنی سند کے لحاظ سے نہایت کمزور ہے تاہم اس میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں سے متعدد ٹکڑوں کی صحیح روایتوں سے تائید ملتی ہے مثلاً عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بہن اور بہنوئی کو اُن کے مسلمان ہونے پر آزار دینا(صحیح بخاری: اسلام سعید بن زید) اور آنحضرت ﷺ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے لئے دعا خیر کرنا(ترمذی وحاکم)اور متعدد طریقوں سے ایک واقعہ کا ذکر ہونا، گو وہ سب ضعیف کیوں نہ ہو، کچھ نہ کچھ اصلیت کا پتہ دیتا ہے، اس لئے ہم نے اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے"۔ سید سلیمان ندویؒ نے مسند احمد والی روایت بھی نقل کی ہے لیکن اس پر کوئی حکم نہیں لگایا ہے لیکن حاشیہ میں اس پر حکم لگایا ہے۔ لکھتے ہیں: "اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن ابتدائی راوی کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں اس لئے اس میں انقطاع ہے لیکن عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بارے میں سب سے محفوظ روایت یہی ہے"۔[22]

ابن اسحاق نے اپنی سیرۃ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے حوالے سے دو روایات مزید ذکر کی ہیں۔

پہلی روایت کچھ یوں ہے:"نا أحمد نا يونس عن محمد بن إسحاق قال كان إسلام عمر بن الخطاب بعد خروج من خرج من أصحاب رسول الله ﷺ إلى أرض الحبشة"۔[23]

ترجمہ: محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کے کچھ اصحاب حبشہ کو ہجرت کے لئے نکلے تو اس کے بعد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے۔

دوسری روایت میں بھی یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آپ ہجرت حبشہ کے بعد ایمان لے آئے۔ روایت کچھ یوں ہے۔

"نا أحمد نا يونس عن ابن إسحاق قال حدثني عبد الرحمن بن الحارث عن عبد العزيز بن عبد الله عن عبد الله عامر ابن ربيعة عن أمه ليلى قالت كان عمر بن الخطاب من أشد الناس علينا في إسلامنا فلما تهيأنا للخروج إلى أرض الحبشة جاءني عمر بن الخطاب وأنا على بعيري نريد أن نتوجه فقال أين يا أم عبد الله فقلت له آذيتمونا في ديننا فنذهب إلى أرض الله عز وجل حيث لا نؤذى في عبادة الله فقال صحبكم الله فذهب ثم جاءني زوجي عامر بن ربيعة فأخبرته بما رأيت من رقة عمر فقال أترجين يسلم فقلت نعم فقال والله لا يسلم حتى يسلم حمار الخطاب"۔[24]

ترجمہ: عامر بن ربیعۃ اپنی ماں لیلیٰ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ ہمارے اسلام لانے کے حوالے سے عمر بن الخطاب سارے لوگوں سے ہم پر زیادہ سختی کرنے والے تھے۔ جب ہم نے حبشہ کے زمین کی طرف خروج کا ارادہ کیا تو میرے پاس عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ آئے۔ میں اپنی اونٹ پر سوار تھی ہم چاہتے تھے کہ اس کو اپنی طرف متوجہ کریں۔ مجھے اس نے کہا کہ اے ام عبد اللہ کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: آپ نے ہمیں ہمارے دین میں بہت تکلیف پہنچائی ہے پس ہم اللہ کی زمین کی طرف جارہے ہیں تا کہ اللہ کی عبادت میں ہمیں کوئی اذیت نہ پہنچائے۔ تو کہا کہ اللہ تمہارا ساتھی ہو اور چلا گیا۔ پھر میرے پاس میرے خاوند عامر بن ربیعہ آئے تو میں نے اس کو خبر دی جو میں نے عمر رضی اللہ عنہ کی نرمی دیکھی۔ تو اس نے کہا کہ تم عمر کے اسلام کی امید کرتی ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ تو اس نے کہا اللہ کی قسم وہ مسلمان نہ ہو گا یہاں تک کہ خطاب کا گدھا مسلمان ہو جائے۔

اگرچہ اس روایت میں خود ابن اسحاق غیر متعبر ہے اور اس میں عبد العزیز بن عبد اللہ کے متعلق بلاذری کہتے ہیں: یہ جھوٹ بولتا ہے اور یہ قدریہ میں سے تھے۔[25]

ان دو روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبوت کے پانچویں سال ایمان لے آئے تھے جب کہ دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ نبوت کے چھٹے سال ایمان لے آئے تھے۔ ان تمام روایات کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو صرف بخاری ہی کی وہ صحیح روایت باقی رہ جاتی ہے جس کے لئے امام بخاریؒ نے باب اسلام عمر کا باب باندھا ہے۔ باقی روایات تمام ضعیف اور کمزور ہیں۔

خلاصہ بحث

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ عام وخاص کے زبان پر جاری وساری ہے جو کہ کتب تاریخ سے ماخوذ شدہ ہے اور ندائے منبر و محراب ہے۔ مذکورہ بحث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ روایات کس قدر ضعیف اور کمزور ہیں اور ضعیف رواۃ نے اپنی منشاء کو کیسے خوبصورت لڑی میں پرویا ہے کہ ایک طرف تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہادری کے قصے مشہور ہیں تو دوسری طرف اس کو ایک سنگدل اور کمزور شخصیت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تاریخی روایات سے پہلے احادیث کا ذخیرہ ٹٹولنا چاہیے کہ اگر وہاں کوئی چیز پائی جاتی ہے تو پھر تاریخ سے اخذ کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ اور اگر کوئی تاریخ سے کچھ اخذ بھی کرنا ہے تو پہلے اس کو قرآن اور حدیث پر پیش کرنا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی کچھ اسی نوعیت کا ہے کہ احادیث کو دوسرے نمبر پر رکھا گیا ہے اور تاریخ کو فوقیت دی گئی ہے۔

حواشی و مصادر

1 أبو الفتح، ناصر بن عبد السيد أبى المكارم ابن على، المغرب فى ترتيب المعرب، ج1، ص40، مادة الهمزة مع الراء، دار صادر، بيروت

2 ابو الحسن السخاوى، على بن محمد بن عبد الصمد، الاعلان بالتوبيخ لمن ذم التاريخ، ص، 7، 6، دار الفكر المعاصر، بيروت، طبع1409ھ

3 ایضاً: ص83، 84

4 ھود: 120

5 ابن خلدون، عبد الرحمن، مقدمہ ابن خلدون، ج78، 1، دارالاشاعت، کراچی، طبع2009ء

6 ایضاً: 94

7 ابراهيم الشريفى، الدكتور، التاريخ الاسلامى منذ العهد النبوى ﷺ حتى العصر الحاضر، ص 6، مکتبہ فاروقیہ۔ کراچی

8 شبلی نعمانی، الفاروق، ج1، ص20

9 ایضاً: ج2، ص22، 173

10 الحدید: 1

11 أبو الحسن إبن الأثير، على بن محمدبن عبدالكريم، أسد الغابة، ج2، ص316، باب: إسلامه رضى الله عنه، دارالكتب العلميه بيروت، أبو عبدالله البصرى، محمد بن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ج3، ص268، رقم، 3770، دار صادر، بيروت، طبع 1968م

12 البخارى، أبوعبدالله محمدبن اسماعيل، جامع صحيح بخارى، ج5، ص60، رقم3862، باب: إسلام سعيد بن زيد رضى الله عنه، دارالشعب، القاهره، طبع1407ھ۔1987م

13 أبو الحسن الدارقطنى، على بن عمر، سنن دار قطنى، ج1، ص221، رقم441، مكتب التحقيق بمركز التراث للبر مجيات، مؤسسة الرسالة، بيروت

14 الذهبى، ميزان الإعتدال، ج 3، ص375، ترجمه 6825/العسقلانى، أحمدبن على بن حجر، لسان الميزان، ج6، ص377، ترجمه 6120، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب

15 الذھبی،میزان الإعتدال، ج1،ص179،ترجمه 725

16 ایضاً:ج، ص174، ترجمہ705

17 أبوبکر البزار،احمدبن عمرو بن عبدالخالق، مسند البزار، ج1،ص401، رقم 279، مکتبة العلوم والحکم۔ مدینه منورة،طبع 2009م

18 السخاوی، محمد بن عبدالرحمن(م902ھ)المقاصد الحسنة فی بیان کثیر من الأحادیث المشتهرة علی الألسنة، ج1،ص157،رقم 168،دارالکتاب العربی، بیروت، سن نامعلوم

19 العسقلانی،أحمد بن علی بن حجر،الإصابة فی تمییز الصحابة،ج2،ص613،ترجمه 2925،باب:ذکر من اسمه زید،دار الجیل،بیروت،طبع 1411ھ

20 البخاری، ج5،ص60،رقم3866،باب:إِسْلاَمِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ،رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

21 أبو عبدالله الشیبانی،أحمدبن حنبل،مسند،ج1،ص17،رقم 107،باب:مسند عمر بن الخطاب،مؤسسة قرطبه، القاهره

22 شبلی نعمانی،سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، ج3، ص344، آر زیڈ پبلیکیجز،لاہور، طبع1408ھ

23 محمد بن اسحاق بن یسار، سیرة إبن اسحاق(المبتداء والمبعث والمعازی)ج2،ص160، باب: إسلام عمر بن الخطاب رضی الله عنه۔ ناشر:معهد الدرسات والابحاث للتعریف

24 ایضاً

25 عسقلانی،أحمد بن علی بن حجر، لسان المیزان،ج5،ص209، ترجمه 4819، مکتب الموضوعات الاسلامیه۔